# دنیوی زندگی پر اقبال کے قرآنی تصورات

محمد بدیع الزماں

دنیوی زندگی کا قرآنی تصور اور نقطۂ نظر صرف اتنا ہے کہ کارزارِ حیات میں جو دوڑ دھوپ آدمی کر رہا ہے اس میں آیا وہ دنیوی نتائج پر نگاہ رکھتا ہے یا ان کے اخروی نتائج پر۔ اصل اعتبار دنیوی زندگی کی سعی و جہد کے نتائج کا ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۸۵ میں "وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ" کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ آخرت کی حقیقی اور پائیدار زندگی کے مقابلہ میں یہ زندگی ایسی ہے جیسے کوئی شخص کچھ دیر کے لئے کھیل اور تفریح میں دل بہلائے۔ دوسرے یہ کہ حقیقت کے مخفی ہونے کی وجہ سے بے بصیرت اور ظاہر پرست انسانوں کے لئے غلط فہمیوں میں مبتلا ہونے کے اتنے آسان اسباب اس دنیا میں موجود ہیں کہ لوگ حقیقتِ نفس الامری کے خلاف ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں جو محض کھیل اور تماشا بن کر رہ جاتا ہے۔ دنیوی زندگی میں اس غلط رویہ اور طرزِ عمل کو قرآن میں "ضَلُّوا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ" یعنی راہ گم کرنے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔

جو لوگ خدا کے سامنے اپنے آپ کو ذمہ دار اور جواب دِہ نہیں سمجھتے، جو اس بات کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے کہ انہیں آخر کار خدا کو اپنے پورے کارنامۂ حیات کا حساب دینا ہے۔ وہ اس مفروضے پر کام کرتے ہیں کہ زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اور اس مادہ پرستانہ تخیل کی بناء پر ان کی پوری زندگی غلط ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا گیا:

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ ﴾ (الکہف : ۷)

"واقعہ یہ ہے کہ یہ جو کچھ سروسامان بھی زمین پر ہے اس کو ہم نے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے"۔

خدا تعالیٰ نے انسان کو زمین کی خلافت عطا فرمائی اور اس کے لئے زمین و آسمان کی اشیاء کو مسخر کر دیا' اسے زمین پر اختیارات دیئے' اسے عقل و شعور سے نوازا۔ اللہ کا دین انسان سے یہ مطالبہ نہیں کرتا کہ وہ اس دنیا کی متاعِ حیات سے استفادہ نہ کرے۔ اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہ اس دنیوی زندگی میں اپنے عقل و شعور سے ان واجبات کو پورا کرے جو بحیثیت خلیفۃ الارض اسے سونپے گئے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۷ میں فرمایا گیا ہے' کائنات کا یہ سارا نظام کوئی کھلنڈرے کا کھیل نہیں جس کا کوئی سنجیدہ مقصد نہ ہو' اور نہ انسان اس دنیا میں یونہی آزاد چھوڑ دیا گیا ہے کہ جو کچھ چاہے کرے اور جس طرح چاہے جیئے۔

اسی طرح دنیوی زندگی میں انسان کے سامنے دو نظریۂ حیات ہیں۔ ایک یہ کہ اگر وہ دنیوی زندگی کو صرف عیش و عشرت اور دنیا کے مزے لوٹنے تک محدود سمجھتا ہے تو یہ اس کے لئے خسران ہے۔ دوسرا یہ کہ اگر خود کو خلیفۃ الارض کی حیثیت سے ذمہ دار سمجھتا ہے تو جیسا خدا کا ارشاد ہے کہ قیامت میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس نے دنیا میں رہ کر ویسی سعی کی یا نہیں' جیسی کی جانی چاہئے تھی۔ اگر اس نے کی تو یہ فلاح کا موجب ہوگی۔ قرآن میں دنیوی زندگی کے معاملہ میں انہی دونوں نظریاتِ خسران اور فلاح کو بہت سارے مواقع پر مختلف طریقوں سے مثالیں دے دے کر ذہن نشین کرایا گیا ہے۔

جہاں تک دنیوی زندگی پر اقبال کے قرآنی تصورات کا سوال ہے' پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ شاعر تھے' نثر نگار نہیں۔ چند مصرعوں میں بہت سی بات کہہ جانا ہی شاعری ہے اور عظیم شاعر وہ ہے جو چند الفاظ میں وہ سب کچھ کہہ جائے جو کئی مصرعوں کے موضوع ہو سکتے ہیں۔ اقبال کو زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی مگر انہیں کہنا بہت کچھ تھا' قرآن کے ہر موضوع کے سمندر کو کوزے میں بند کرنا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے پیام و کلام کی پوری عمارت خود اپنی وضع کردہ اصطلاحوں پر کھڑی کی جن کی تعداد پانچ سو سے بھی زائد ہے' چنانچہ دنیوی زندگی پر اپنے قرآنی تصورات کے اظہار کے لئے انہوں نے چند ایسی اصطلاحیں وضع کیں جو اس موضوع پر قرآنی آیات کی ہو بہو ترجمان ہوں۔ اور وہ اصطلاحیں یہ ہیں : دنیا کے لئے "خاک"۔ زمین ہی کی طرف جھک جانے بلکہ اس سے

چمٹ جانے کی بنا پر اپنی خواہشِ نفس کے پیچھے پڑے رہنے کے لئے "جذبِ خاک"۔ اللہ کی راہ میں نکل کر بلند مرتبہ حاصل کرنے کے لئے "پرواز" اور اپنے نیک مقصد کے حصول کے لئے "لذتِ پرواز"۔ اقبال کی یہ چاروں اصطلاحات کا ماخذ قرآن کی درج ذیل آیات ہیں جن سے براہ راست اقبال نے یہ اصطلاحیں وضع کی ہیں۔ فرمایا گیا ہے :

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾

(الاعراف : ۱۷۵-۱۷۶)

"(اور اے نبیؐ) ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا"۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾ (التوبہ : ۳۸)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا"۔

اب ان آیات کو پیش نظر رکھ کر ان اصطلاحوں سے ترتیب دیئے گئے اشعار بہتر طور پر گرفت میں آتے ہیں کیونکہ اقبال نے انہی دو آیات کو کہیں تمثیلی پیرایۂ بیان میں، کہیں مکالمہ کے طور پر اور کہیں غزلوں اور نظموں کے منفرد اشعار میں ذہن نشین کرایا ہے۔

یہ بات کہ انسان کی بزرگی اس کے مقاصد کی بلندی اور اپنا نظریہ آفاقی رکھنے پر منحصر

ہے نہ کہ "خاک نشینی" یعنی دنیا سے چمٹے رہنے میں' اسے اقبال نے "بانگِ درا" کی نظم "ایک مکالمہ" میں "مرغِ سرا" اور "مرغِ ہوا" کے مابین مکالمہ کے طور پر پیش کیا ہے اور یہ نکتہ ذہن نشین کرایا ہے کہ حالانکہ "مرغِ سرا" یعنی وہ پرندے جو گھروں کے آس پاس یا دیواروں پر بیٹھے رہتے ہیں جیسے کوا اور "مرغِ ہوا" جو ہمیشہ فضا میں اڑتے رہتے ہیں جیسے شاہین' عقاب وغیرہ' دونوں ہوا میں اڑنے کے معاملہ میں آزاد ہیں' مگر چونکہ "مرغِ سرا" یعنی وہ شخص جو دنیا کی طرف جھکا' یا اس سے چمٹا ہوا ہو' اس کی نظر در و دیوار یا پاس کے درخت تک ہی جا سکتی ہے اس لئے وہ پست ہمت ہے' اس کے برعکس "مرغِ ہوا" جس کے انداز آفاقی ہیں وہ اپنا رزق زمین پر تلاش نہیں کرتا بلکہ ستاروں تک پہنچ جاتا ہے۔ پوری نظم درج ذیل ہے جس میں اقبال نے دونوں کے نظریۂ حیات کو حکیمانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

اک مرغِ سرا نے یہ کہا مرغِ ہوا سے
پردار اگر تو ہے' تو کیا میں نہیں پردار؟
گر تو ہے ہوا گیر' تو ہوں میں بھی ہوا گیر
آزاد اگر تو ہے' نہیں میں بھی گرفتار
پرواز خصوصیتِ ہر صاحبِ پر ہے
کیوں رہتے ہیں مرغانِ ہوا مائلِ پندار!
مجروح حمیت جو ہوئی مرغِ ہوا کی
یوں کہنے لگا سن کے یہ گفتارِ دل آزار
کچھ شک نہیں پرواز میں آزاد ہے تو بھی
حد ہے تری پرواز کی لیکن سرِ دیوار
واقف نہیں تو ہمتِ مرغانِ ہوا سے
تو خاک نشیمن' انہیں گردوں سے سروکار

تو مرغِ سرائی' خورش از خاک بجوئی
ما در صددِ دانہ بانجم زدہ منقار

جو سوال متذکرہ نظم میں مرغِ سرا نے مرغِ ہوا سے کیا تھا کہ "کیوں رہتے ہیں مرغانِ ہوا مائلِ پندار" وہی سوال "بالِ جبریل" کی نظم "چیونٹی اور عقاب" میں چیونٹی نے عقاب سے کیا اور اسے عقاب نے وہی جواب دیا جو مرغِ ہوا نے مرغِ سرا کو دیا تھا' کہ اگر دنیوی زندگی میں مقصدِ حیات کا زاویۂ نگاہ پست ہو گا تو زندگی میں ترقی' عروج یا سربلندی کا رنگ ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ نظم جو درج ذیل ہے دو ہی اشعار پر مشتمل ہے۔

چیونٹی : میں پامال و خوار و پریشان و درد مند
تیرا مقام کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟
عقاب : تو رزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
میں نُہ سپہر کو نہیں لاتا نگاہ میں

اقبال نے دنیوی زندگی پر اپنے قرآنی تصورات کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ علائقِ دنیوی سے انسان اسی وقت بالکل بیگانہ ہو سکتا ہے جب وہ دولتِ عشق یعنی عشقِ رسولؐ سے سرشار ہو' کیونکہ اسی عشق کی بدولت انسان میں جنون کا جو رنگ پیدا ہوتا ہے اس سے اس کی عقل اور تیز تر ہو جاتی ہے اور اس طرح اس کی نگاہ میں "نشیمن" یعنی علائقِ دنیوی کی کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہتی۔ اسی نکتہ پر "بال جبریل" کی نظم "مسجدِ قرطبہ" کے پانچویں بند کے درج ذیل اشعار میں وہ اس طرح روشنی ڈالتے ہیں۔

خاکی و نوری نہاد ' بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی ' اس کا دلِ بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل ' اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دل فریب ' اس کی نگہ دل نواز

اسی نکتہ پر مزید روشنی اقبال نے "بال جبریل" کی درج ذیل غزل (۴۹) میں اس طرح بھی ڈالی ہے :

فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشۂ چالاک — رکھتی ہے مگر طاقتِ پرواز مری خاک
وہ خاک ' کہ ہے جس کا جنوں صیقلِ ادراک — وہ خاک ' کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک
وہ خاک ' کہ پروائے نشیمن نہیں رکھتی — چنتی نہیں پہنائے چمن سے خس و خاشاک

اس خاک کو اللہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
کرتی ہے چمک جن کی ستاروں کو عرقناک!

اسی مضمون کو اقبال نے اسی مجموعہ کی غزل ۱۵ اور "ضرب کلیم" کی نظم "مومن دنیا میں" علی الترتیب اس طرح بھی ذہن نشین کرایا ہے۔

خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی — رومی ہے ' نہ شامی ہے ' کاشی ' نہ سمرقندی

---

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش — خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن!

اقبال نے "بال جبریل" کی نظم "فرشتے آدمؑ کو جنت سے رخصت کرتے ہیں" میں یہ نکتہ ذہن نشین کرایا ہے کہ چونکہ اللہ نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور اس شعور' ادراک اور فہم کے ساتھ اس میں ترقی کے لامحدود امکانات پوشیدہ رکھے ہیں' اس لئے دنیوی زندگی میں اس کا کام یہ ہے کہ وہ اس منصبِ جلیل کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو یا اسے کھیل تماشا سمجھ کر دنیوی لذائذ تک اپنا مقصودِ حیات محدود کر دے۔

اس نظم میں اقبال نے یہ بات کہ انسان خاکی ہونے کے باوجود اس کا جوہر حیات خاکی نہیں بلکہ روحانی یا نورانی ہے' فرشتوں کی زبان سے' آدم کو جنت سے رخصت کئے جانے کے وقت سنائی ہے کہ۔

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن
تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

اقبال نے دنیا کی فانی دلچسپیوں' جسے انہوں نے گلشن کے خس و خاشاک سے تعبیر کیا ہے' میں منہمک ہو کر مقصدِ حیات سے غافل ہو جانے کی بات تمثیلی پیرایۂ بیان میں "ضربِ کلیم" کی نظم "نسیم و شبنم" میں ذہن نشین کرائی ہے۔ شبنم کی زبانی وہ یہ نکتہ ذہن نشین کراتے ہیں کہ اگر انسان اپنی نظر کو بلند اور مقاصد کو ارفع کر لے تو گلشن بھی افلاک کا ہم رتبہ ہے۔ اس میں بھی وہی عظمت پوشیدہ ہے جو سراپردۂ افلاک میں نظر آتی ہے مگر شرط اس نظر کی ہے جو گلشن کی عظمتِ مخفی کو دیکھ سکے۔

کھینچیں نہ اگر تجھ کو چمن کے خس و خاشاک
گلشن بھی ہے اک سرِّ سراپردۂ افلاک!

اقبال کے نزدیک جب تک انسان کا زاویۂ نگاہ آفاقی نہ ہو جائے اس کے دل میں آفاق گیری کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ وہ علائقِ دنیوی سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔ "بال جبریل" کی غزل ۳۶ میں کہتے ہیں۔

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہو انداز آفاقی!

سورۃ الاعراف کی آیت ۱۷۶ میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ اگر انسان زمین ہی کی

طرف جھک کر نہ رہ جاتا تو ہم اسے بلندی عطا کرتے۔ اقبال نے اس بلندی کو "پرواز" سے تعبیر کیا ہے، یعنی دنیوی علائق سے بے نیاز ہو کر بلند مقصد کے حصول کے لئے اپنے زاویۂ نگاہ کو آفاقی بنا ڈالنا۔ اس "پرواز" اور "لذتِ پرواز" پر اقبال کے چند اشعار درج ذیل ہیں، جو اسی قرآنی آیت کے ترجمان ہیں۔

ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے　　تری پرواز لولاکی نہیں ہے

---

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی　　فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

---

ہوتا ہے مگر محنتِ پرواز سے روشن　　یہ نکتہ کہ گردوں سے زمیں دور نہیں ہے

---

انکو کیا معلوم اس طائر کے احوال و مقام　　روح ہے جس کی دمِ پرواز سرتاپا نظر

---

درّاج کی پرواز میں ہے شوکتِ شاہیں　　حیرت میں ہے صیّاد یہ شاہیں ہے کہ درّاج

پہلے دو اشعار "بالِ جبریل" کے ہیں، اس کے بعد دو "ضربِ کلیم" کے اور آخری شعر "ارمغانِ حجاز" کا ہے۔

اقبال کے نزدیک جس شے کا وجود جذبِ خاک (یعنی علائقِ دنیوی سے چمٹے رہنے) سے آزاد نہیں ہو گا وہ "لذّتِ پرواز" (یعنی بلندی مرتبہ کے حوصلے) سے بہرہ اندوز نہیں ہو سکتا۔ اقبال نے "بالِ جبریل" کی درج ذیل نظم "پرواز" میں "جذبِ خاک" اور "لذتِ پرواز" کا موازنہ کیا ہے اور آخر الذکر کی حقیقت اس طرح ذہن نشین کرائی ہے۔

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے　　ستم پہ غمکدۂ رنگ و بو کی ہے بنیاد!
خدا مجھے بھی اگر بال و پر عطا کرتا　　شگفتہ اور بھی ہوتا یہ عالمِ ایجاد!
دیا جواب اسے خوب مرغِ صحرا نے　　غضب ہے داد کو سمجھا ہوا ہے تو بیداد
جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اس کا
وجود جس کا نہیں جذبِ خاک سے آزاد

اسی مضمون کو اقبال نے "ضرب کلیم" کی نظم "معراج" میں اس طرح بھی ذہن نشین کرایا ہے۔

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز کر سکتا ہے وہ ذرّہ مہ و مہر کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن! معرکۂ باز پُر سوز اگر ہو نفسِ سینۂ دراج

اور پھر "بال جبریل" کی مثنوی "ساقی نامہ" اصولی طور پر یہ کلیہ ذہن نشین کراتی ہے۔

تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے، تُو جہاں سے نہیں

(بشکریہ : دارالعلوم، دیوبند)

## بقیہ : حرفِ اول

یہود کے خاتمے کے بعد دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔ دجالی دور کی سیاہ رات جب اختتام کو پہنچے گی تو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا خورشید طلوع ہو گا۔ مسلمان اور عیسائی ایک امت بن جائیں گے۔ سب نبی آخر الزمان ﷺ کی رسالت کا اقرار کریں گے۔ پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا جھنڈا سربلند ہو گا۔ اس طرح مقصد بعثتِ نبوی کی تکمیل ہو جائے گی اور "وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ" کے الفاظِ قرآنی مجسم صورت میں ظاہر ہوں گے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے آنے والے دَور کا یہ واضح خاکہ خود ہی وضع نہیں کیا ہے، آئینۂ قرآن و حدیث میں جھانک کر مستقبل کی اس تصویر کا باقاعدہ مشاہدہ کیا ہے۔ حالات بہت تیزی کے ساتھ اس رخ پر جا رہے ہیں جس کی نشاندہی محترم ڈاکٹر صاحب نے احادیثِ مبارکہ کے حوالے سے اس کتاب میں کی ہے۔ اس کتاب میں بعض نہایت قیمتی مباحث بھی ضمناً زیر بحث آئے ہیں جو ان شاءاللہ قارئین کی بہت سی علمی الجھنوں کو رفع کرنے کا باعث بنیں گے ---- شعبہ انگریزی سے وابستہ ہمارے ایک معاون کار نے اس کتاب میں شامل مضامین کو انگریزی زبان کے قالب میں ڈھال کر انگریزی خواں طبقے کے لئے سہولت پیدا کر دی ہے۔ ان کی اس کاوش کو قسط وار "حکمت قرآن" میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ اس سلسلے کا پہلا مضمون "Lessons From History" زیر نظر شمارے میں ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔